سید رئیس احمد جعفری ندوی

اسلام اور سیاست

دوسرے مذاہب میں دین اور سیاست جدا جدا چیزیں ہیں۔ لیکن اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ
"جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی!"

●

کسی قوم کے انداز حکمرانی کا نام سیاست ہے۔ عوام پر حکومت کس طرح کی جائے؟ اور غیر اقوام سے ربط و تعلق کی نوعیت کیا ہو؟ یہی سیاست ہے۔ صحافت کی اصطلاح میں اس کو داخلی اور خارجی سیاست کہتے ہیں۔

سیاست میں اور مذہب میں بیر ہے ـــــ جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے۔ سیاست لادین ہوتی ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ خود ایک دین ہے تو زیادہ صحیح ہوگا۔ یہ دین بھی اپنا ایک مستقل مزاج رکھتا ہے۔ اپنا ایک مستقل نظام رکھتا ہے۔ اس کے اقدار جدا ہیں۔ اس کے اخلاقیات الگ ہیں۔ جس طرح ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اسی طرح ایک ایوان میں دین سیاست اور دین الٰہی کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

دین الٰہی میں عدل ہے۔ انصاف ہے۔ مساوات ہے۔ پاس عہد ہے۔ عفو ہے۔ رحم ہے۔ حقوق انسانی کا احترام ہے۔ دین سیاست میں یہ چیزیں اسم بے مسمّٰی ہیں۔ ـــــ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی ـــــ دین سیاست دین چنگیزی

ہے۔ دین الٰہی کی سیاست دوست اور دشمن، مسلم اور کافر سب کے لیے رحمت ہے۔

اقوام عالم کی تاریخ پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح اور نمایاں نظر آئے گی کہ سیاست نے مذہب کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دیا۔ البتہ اسے آلۂ کار بنانے کی ضرور کوشش کی گئی۔ مذہب کے نام پر جو لڑائیاں لڑی گئیں وہ فریب کار اور لادینی سیاست کا شاہکار ہیں۔ حتیٰ کہ صلیبی جنگیں جو خالص مذہبی جنگیں تھیں نقض عہد، مکر و زور، کذب و دروغ، ظلم ناروا، اور جور ناسزا کی بھیانک مثالوں کا مرقع ہیں جن کی سفاکی اور درندگی، بدعہدی اور فریب کاری، پر خود یورپین مؤرخ تک چیخ اٹھے۔ اور انھیں شرم و ندامت کے ساتھ اعتراف کرنا پڑا کہ مذہبی سیاست کے نام پر درحقیقت یہ شیطانی سیاست کا نہایت دلدوز اور روح فرسا المیہ تھا۔

ماضی سے قطع نظر کر کے اگر ہم حال پر ایک نظر ڈالیں تو بھی یہ حقیقت آئینہ کی طرح صاف اور واضح نظر آئے گی کہ نہضت و ارتقاء کے اس دور میں بھی لادین سیاست اتنی ہی بھیانک، انسانیت سوز اور بے اصول ہے جتنی آج سے سینکڑوں برس پہلے تھی۔

یہ سیاست اپنے تین دشمن رکھتی ہے۔ دو داخلی ایک خارجی۔ داخلی دشمن ملکی اقلیت اور غیر ملکی مقبوضات کے باشندے ہوتے ہیں۔ اور خارجی دشمن محارب قوم۔ ان تینوں سے انتہائی تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ، فیاضانہ اور روادارانہ معاہدے ہوتے ہیں ـــــ لیکن صرف اس لیے کہ وہ ایفا نہ کیے جائیں۔ موقع ملتے ہی انھیں حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔

میں اپنے دعوے کی تائید میں چند مثالیں پیش کروں گا اور سب سے پہلے اقلیت کا مسئلہ زیر بحث لاؤں گا۔

۱۔ جرمنی کے یہودی علم و فن، دولت و ثروت، تجارت اور کاروبار، صنعت و حرفت ہر اعتبار سے یکتا تھے۔ لیکن ہٹلر نے محسوس کیا کہ جرمن اکثریت کی ترقی میں یہ حائل ہیں لہٰذا

انھیں غدار قرار دیا اور انتہائی شقاوت اور بربریت کے ساتھ بیک بینی دو گوش انھیں ترک وطن پر مجبور کر دیا۔ حد یہ ہے کہ آئن اسٹائن جیسا عظیم المرتبت سائنس دان بھی گوارا نہ ہو سکا۔ اور اسے امریکہ میں اقامت اختیار کرنی پڑی۔ اس کی ایک مختصر سی سوانح عمری اس کی سیکریٹری نے حال میں امریکہ سے شائع کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ نزع کے عالم میں اس عظیم فن کار نے کچھ الفاظ کہے لیکن وہ سمجھے نہ جا سکے اس لیے کہ جرمنی میں تھے۔ جس شخص کو اپنے وطن سے اس درجہ تعلق خاطر تھا کہ مرتے وقت بھی وہ اسے فراموش نہ کر سکا، صرف اس جرم میں کہ اقلیت کا فرد تھا بے وطن ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔

۲۔ روس میں جب سوویت نظام قائم ہوا تو وہاں کی مسلم اقلیت کو یقین دلایا گیا کہ دور محنوں گزشت نوبت ماست، زار کے زمانے میں جو مظالم تم پر ہوتے تھے زار کے ساتھ ان کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ اب تم کو مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ لیکن اس اعلان کی صدا ابھی گونج ہی رہی تھی کہ مسلم اقلیت کا استیصال شروع ہو گیا۔ اس کی تہذیب اس کا تمدن اور اس کے مذہب کو پامال کرنے کی زور و قوت کے ساتھ کوششیں شروع ہو گئیں۔ اور آج گو وہاں مسلمان قوم اور مسلمان ریاستیں موجود ہیں لیکن ـــــ مسلمانان درگور اور مسلمانی در کتاب۔

۳۔ چین میں جب شاہی کا دور دورہ تھا، پھر جب بادشاہت کا تختہ الٹا، اور جمہوریت کی جگہ کمیونزم نے لی، مسلمان اسی طرح راندہ درگاہ رہے جیسے ہمیشہ تھے۔ چین کے مسلمان غیر ملکی نہیں ہیں۔ ان کی نسل، ان کی قومیت، ان کا وطن سب ایک ہے، لیکن عقائد کے اختلاف نے انھیں مقہور و معتوب بنا رکھا ہے، اور ان کی انفرادیت کو ختم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی سخت جانی انھیں زندہ رکھے ہوئے ہے۔

۴۔ ہندوستان میں مسلمان تقریباً پانچ کروڑ ہیں۔ اتنی بڑی اقلیت دنیا کی کسی اکثریت

کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اس سب سے بڑی اکثریت کا حال کیا ہے؟ اردو زبان جو سارے ہندوستان کی مشترکہ زبان تھی۔ جسے بار بار کانگرس نے ملک کی مشترکہ زبان تسلیم کیا تھا، آزادی کے فوراً بعد سرکاری طور پر ختم کر دی گئی۔ اسٹیشنوں سے اس کا نام کھرچ دیا گیا۔ دفاتر اور عدالتوں سے اسے نکال باہر کیا گیا۔ ریڈیو سے اسے خارج کر دیا گیا عثمانیہ یونیورسٹی جو ہندوستان میں تنہا اردو یونیورسٹی تھی اور جس کے گریجویٹ لندن اور برلن، پیرس اور واشنگٹن سے فخر کے ساتھ ڈگریاں لے کر آتے تھے، ہندی یونیورسٹی بنا دی گئی۔ اسکول، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ذریعہ تعلیم نہ رہی محض اس لیے کہ اس کی تخلیق و تشکیل میں مسلمانوں کا سب سے زیادہ حصہ تھا۔ اور وہ ان کے دور حکومت کی یادگار تھی۔ یہی نہیں بلکہ ان پر فوج کے دروازے بند کر دیے گئے۔ سرکاری ملازمتوں سے وہ محروم کر دیے گئے۔ تجارتی لائسنس یا بند کر دیے گئے یا کم کر دیے گئے۔ سرحدی علاقوں سے ان کا زبردستی انخلا عمل میں لایا گیا۔ ہندوستان کے ۷، ۸ کروڑ اچھوتوں کو مساویانہ حقوق دیدیے گئے، اور یہ خلا پانچ کروڑ نئے اچھوتوں یعنی مسلمانوں سے پورا کر لیا گیا۔

اسی طرح غیر ملکی مقبوضات یعنی مفتوح و محکوم اقوام کا حال ہے۔ جو قومیں آزادی کی جتنی زیادہ پرستار ہوتی ہیں، اپنی آزادی کے حفظ وبقا کے لیے جتنی زیادہ قربانی اور ایثار کا جذبہ رکھتی ہیں، اپنی محکوم و مفتوح قوموں کے ساتھ ان کا برتاؤ اتنا ہی شقاوت اور سفاکی اور بربریت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

۱۔ فرانس آزادی وحریت کا معلم اوّل مانا جاتا ہے۔ لیکن وہی فرانس مراقش، تیونس، الجزائر، شام، لبنان اور دوسرے مقبوضات کے باشندوں کے ساتھ درندگی اور بہیمیت کا برتاؤ کرتے ہوئے ذرا نہیں جھجکتا۔ یہ فرانس ہے جس نے مسلسل چالیس گھنٹے تک شام کے دروزیوں پر بمباری کی تھی۔ جس نے عبدالقادر جزائری سے پیمان دوستی استوار کرنے کے باوجود انھیں موقع پاتے ہی محبوس اور جلاوطن کر دیا تھا۔ اور ان کی قوم کو ہدف ستم گوناگوں بنا لیا تھا۔ یہی سلوک اس کا

اپنے تمام مقبوضات کے ساتھ تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد حالات نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا کہ سامراجی اور استعماری حکومتیں اپنے مقبوضات اور مستعمرات کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئیں لیکن فرانس یورپ کا وہ واحد ملک ہے جو اب تک اپنے سامراجی محور سے پورے طور پر باہر نہیں نکل سکا ہے۔ اس کا بس چلے تو جنھیں آزاد کر چکا ہے انھیں پھر غلام بنا لے۔ اس نے نیم دلی کے ساتھ اپنے مقبوضات کو آزادی بخشی ہے۔ اور اس کا اسے بہت افسوس ہے۔

۲۔ مقبوضات کی وسعت کے اعتبار سے برطانیہ سارے یورپ میں سب پر فائق تھا۔ اس نے ہندوستان، برما، ملایا، سنگاپور، لنکا وغیرہ کو آزاد بھی کر دیا۔ لیکن جہاں اسے اپنا مفاد مجروح ہوتا نظر آیا وہاں اس نے اپنی اس عام پالیسی سے انحراف کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔ سویز پر برطانیہ اور فرانس کا مشترکہ حملہ کل کی بات ہے۔ نخلستان بریمی پر وہ اپنی حاکمیت قائم رکھنے پر مصر ہے۔ بحرین وغیرہ کو اپنے انتداب سے آزاد کرنے پر وہ کسی طرح تیار نہیں۔

۳۔ ہالینڈ نے مجبور ہو کر انڈونیشیا کو آزاد کر دیا۔ لیکن صبر نہ کر سکا۔ بغیر کسی معقول سبب کے پولیس ایکشن کر بیٹھا۔ یہ کوشش سرسبز نہ ہو سکی۔ اسے پھر انڈونیشیا کو آزاد کرنا پڑا۔ لیکن مغربی ایرین کا قصہ اب تک لگا ہوا ہے۔

۴۔ کشمیر کو ہندوستان نے اپنے ساتھ، ساری دنیا کو گواہ کر کے اس شرط پر ملحق کیا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو حق خود ارادیت حاصل ہو گا۔ استصواب رائے عامہ کے بعد کشمیریوں کو حق ہو گا کہ وہ اپنے مستقبل کا جو فیصلہ چاہیں کریں۔ لیکن آج ۱۷ سال گزر جانے کے بعد بھی کشمیر ہندوستان کے قبضہ میں ہے، اور جس ہندوستان نے اپنی آزادی کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دی تھی، آج وہ تن من دھن کی بازی لگا کر کشمیر کو غلام بنائے رکھنے پر بضد ہے۔ جس طرح انگریزوں نے پنڈت نہرو کو اس جرم میں کہ وہ آزادئ ہند کے طلب گار تھے برسوں مبتلائے محن و زنداں رکھا، آج پنڈت نہرو، شیخ عبداللہ کو اس جرم میں کہ وہ آزادئ کشمیر کے طلبگار ہیں، گیارہ سال تک اسیر زنداں رکھ چکے ہیں۔ البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ انگریز اور نہرو، ایک دوسرے

کے پرانے دشمن تھے اور نہرو اور شیخ عبداللہ ۲۰ سال کے رفیق اور دوست تھے۔ اور اس رفاقت اور دوستی پر انھیں فخر بھی تھا۔

پنڈت نہرو نے ہندوستان آزاد کرا لیا لیکن ناگا قوم کو آزادی دینے پر کسی طرح تیار نہ ہوئے:

میرے تغیر رنگ پر مت جا انقلابات ہیں زمانے کے

اسی طرح ایک قوم دوسری قوم سے برسرپیکار ہوتی ہے۔ جب بھی وہ اپنے مفاد کا تقاضہ دیکھتی ہے، دوسری قوم کے مفاد کو کچلنے اور پامال کرنے پر تیار ہو جاتی ہے۔

۱۔ دوسری جنگ عظیم کے آغاز میں مسولینی نے البانیہ کے بادشاہ، احمد زوغو کو ان کی شادی کے موقع پر گراں بہا تحائف اظہار دوستی کے طور پر بھیجے۔ لیکن چند ہی روز کے بعد، بغیر کسی سبب کے بغیر کسی دشمنی کے، بغیر کسی اعلان جنگ کے اٹلی کی فوج ظفر موج دفعتہً البانیہ پر قابض ہو چکی تھی اور احمد بے زوغو لندن میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

یہی مسولینی تھا جو شہنشاہ ہیل سلاسی سے دوستانہ تعلقات پر فخر کرتا تھا۔ حبش اور اطالیہ کے تعلقات کو اٹوٹ قرار دیتا تھا۔ لیکن جب اس نے ایک نو آبادی کی ضرورت محسوس کی تو اس کی فوجوں نے حبش کو غلام بنا لینے میں ذرا بھی تامل نہیں کیا۔

۲۔ رات کے خواب راحت سے ایک روز لوگ جب بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ ہٹلر اور اسٹالن میں پیمان دوستی استوار ہو چکا ہے۔ دونوں نے مل کر یورپ کو فتح کر لینے کا نقشہ بنایا ہے۔ اور کچھ عرصہ بعد ایک مرتبہ پھر جب لوگ خواب راحت سے بیدار ہوئے تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ جرمنی اور روس کی فوجیں ایک دوسرے سے گتھی ہوئی ہیں۔ دوستی دشمنی میں تبدیل ہو چکی ہے اور کل کے دونوں بے تکلف دوست آج ایک دوسرے کو کھا جانے کے لیے بے قرار ہیں۔ نہ دوستی کے معاہدے پر دستخط کرتے دیر لگی نہ اس معاہدے کو ردی کاغذ کی طرح پھاڑ دینے میں وقت صرف ہوا۔ تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں یہ بھی۔

۳۔ دوسری جنگ عظیم میں پولینڈ روس کا حلیف تھا۔ پولینڈ کے سفیر نے جب کاغذاتِ سفارت اسٹالن کے سامنے پیش کیے تو اس نے ایک بڑی موثر تقریر کی، اور پولینڈ سے دوستی کے قیام و دوام کا فخر و مسرت کے ساتھ اعلان کیا۔

لیکن اس واقعہ کے دوسرے ہی دن ہٹلر نے پولینڈ کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا۔ فوراً ہی روس کی فوجوں نے دوسرے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ پولینڈ کا سفیر اسٹالن کے حضور میں حاضر ہوا۔ اور اس نے احتجاج کرتے ہوئے وہ تقریر یاد دلائی جو ابھی کل اسٹالن نے کی تھی۔ اسٹالن نے بڑی سادگی اور معصومیت سے کہا:

"لیکن جس پولینڈ کی نمائندگی اور سفارت کے آپ مدعی ہیں وہ ہے کہاں؟"

اور واقعی پولینڈ نذرِ احباب ہو چکا تھا۔

۴۔ جاپان اور امریکہ میں دوستی کے معاہدے پر بات چیت ہو رہی تھی۔ بات چیت جاری تھی کہ پرل ہاربر پر جاپانی طیاروں نے قیامت خیز بمباری شروع کر دی۔ یہ بے سان و گمان حملہ یقیناً امریکہ کی تباہی پر منتج ہوتا اگر وہ چوکس نہ ہوتا۔ پھر بھی ناقابل تلافی نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ جس کا جواب کچھ عرصہ بعد اس نے ہیروشیما اور ناگاساکی میں دیا۔ اور وہی جنرل میکارتھر جو ٹوٹی ہوئی کشتی کے ایک تختے پر بھاگے تھے اکوپائیڈ جاپان کے مطلق العنان فرمانروا بن کر ٹوکیو پہنچ گئے۔

یہ واقعات جو میں نے اوپر پیش کیے ہیں، ان سے یہ بہ آسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ لاوینی سیاست اپنی اقلیت کے ساتھ، اپنے محکوموں کے ساتھ، اور اپنے حریف پنجۂ فگن کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ اور وہ ایسا سلوک کرنے پر مجبور بھی ہے۔ اسے زندہ رہنا ہے اور ہر قیمت پر زندہ رہنا ہے۔ وہ اصولوں کو اپنے اوپر قربان کر سکتی ہے لیکن خود اصولوں پر قربان ہو جائے ـــــ ناممکن۔

لیکن اب میں بتاؤں گا کہ اگر سیاست میں دین کی آمیزش ہو تو وہ اقوام و افراد کے لیے کتنی راحت رساں، حیات آفریں اور سراپا رحمت بن جاتی ہے۔

اسلام کی سیاست دین کی سیاست ہے۔ وہ احکام الٰہی کی تابع ہے۔ اس کی بنیاد قوم اور قومیت پر نہیں، حق اور راستی پر ہے۔ یہ حق کا ساتھ دیتی ہے خواہ وہ کوئی ہو۔ ناحق سے آمادۂ رزم ہو جاتی ہے خواہ وہ یگانہ ہو یا بیگانہ۔ یہ سیاست کسی حالت میں بھی اقدارِ انسانی کو پامال نہیں کرتی۔ ہر حالت میں انسان کو انسان سمجھتی ہے اور اس کا کوئی حق نہیں چھینتی۔

اب میں مختصر طور پر بتاؤں گا کہ اسلام کی سیاست اقلیت کے ساتھ، محکوم کے ساتھ، اور بدترین رزم آرا دشمن کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔

سب سے پہلے اقلیت کو لیجیے!

اسلام کی مملکت میں اہل ذمہ اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں لفظاً نہیں، بلکہ عملاً اپنے اندرونی معاملات میں مکمل آزادی ہوتی ہے۔ ان کا پرسنل لا محفوظ ہوتا ہے۔ ان کی زبان، ان کی تہذیب، ان کے تمدن، اور ان کی معاشرت میں کسی طرح کی مداخلت نہیں کی جا سکتی۔ اپنے مذہبی معاملات کی بجا آوری میں یہ ہر پابندی سے آزاد ہوتے ہیں۔ ان سے کوئی فوجی خدمت جبراً نہیں لی جاتی۔ اس کے عوض میں انھیں سالانہ ایک حقیر سی رقم دینا پڑتی ہے۔ اور اگر رضا کارانہ طور پر یہ فوجی خدمت انجام دیں تو جزیہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ان میں سے جو مجبور، بیمار، بوڑھے اور از کار رفتہ ہوں، ان سے نہ صرف جزیہ ساقط ہو جاتا ہے بلکہ بیت المال ان کا کفیل بن جاتا ہے۔ ان کی جان و مال کی اسی طرح حفاظت کی جاتی ہے جس طرح ایک مسلمان کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ اور جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے سنگھائی دیتی ہے۔

چنانچہ کتب علیکم القصاص کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے:

"مقتول ذمی کے بدلہ میں مسلمان قاتل کا قتل واجب ہے کیونکہ عام حقوق میں ایک ذمی اور مسلمان کے مابین کوئی فرق نہیں اور قصاص کے واجب ہونے کا حکم عام ہے سب میں"

ذمی کی امداد اور رعایت کے سلسلہ میں علامہ ابوبکر جصاص نے فرمایا ہے:

"امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ زکوٰۃ کے سوا ہر صدقہ اہل ذمہ کو دیا جا سکتا ہے البتہ زکوٰۃ اہل ذمہ پر صرف نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس کے مصارف مقرر ہیں۔ مگر کفارے نذر اور صدقۂ فطر کی رقمیں اہل ذمہ کو دی جا سکتی ہیں۔

نیز—

"امام ابوحنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ، زفرؒ اور سفیان ثوریؒ وغیرہ کا قول ہے کہ کافر کی دیت مسلمان کی دیت کی طرح ہے۔ یعنی یہودی، نصرانی، مجوسی، اور معاہد ذمی کی دیت وہی ہے جو مسلمان کی ہے"

اور یہ صورت مسلمانوں نے اپنے عہد اقتدار میں ہمیشہ قائم رکھی۔

"ٹرکی ان یورپ" کا مصنف، بیگر لکھتا ہے:

"ایک مرتبہ کسی ٹرکی کے ایک مفتی سے دریافت کیا گیا۔ اگر گیارہ مسلمان کسی ایسے بے گناہ عیسائی کو قتل کر ڈالیں جو سلطان کی رعیت ہو اور جزیہ دیتا ہو تو کیا کیا جائے گا؟"

مفتی نے جواب دیا:

"اگر ایک ہزار ایک مسلمان بھی کسی بے گناہ ذمی کو قتل کریں گے تو وہ سب کے سب قتل کر دیے جائیں گے"

اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات رہنمائی کے لیے موجود ہیں۔

سنن ابوداؤد کی حدیث ہے کہ حضرت صفوان بن سلمؓ روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا اس کی طاقت سے زیادہ بار ڈالے گا، یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا تو اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود دامنگیر ہوں گا۔"

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی اسی طرح کی روایات منسوب ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان اور ذمی میں حقوق انسانی کا جہاں تک تعلق ہے کوئی فرق نہیں ہے۔

اب یہ دیکھیے کہ جو دشمن برسرپیکار ہو اس کے ساتھ اسلام کی سیاست کس طرح برتاؤ کا حکم دیتی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل کو (میدان جنگ میں) منع فرمایا۔

اسلام جنگ شروع کرنے سے پہلے اپنے سپاہیوں اور سپہ سالاروں کو ہدایت کرتا ہے کہ دوران جنگ میں:

۱۔ عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے

۲۔ بچہ کی جان نہ لی جائے

۳۔ بوڑھے کو نشانۂ شمشیر نہ بنایا جائے

۴۔ کھیتوں میں آگ نہ لگائی جائے

۵۔ ہرے بھرے درخت نہ کاٹے جائیں

۶۔ جو امان کا طالب ہو اسے چھوڑ دیا جائے

۷۔ جو تلوار میان میں کرلے اس کا مقابلہ نہ کیا جائے

۸۔ معذور اور بیمار پر دراز دستی نہ کی جائے

۹۔ آبادیوں کو ویرانہ نہ بنایا جائے

ایٹم بم کے اس دور میں یہ محرمات جنگ آج کی دنیا کے لیے کس قدر حیرت انگیز ہوں گے۔

میدان جنگ میں تلواریں کھنچی ہوئی تھیں۔ عین معرکۂ کارزار میں دشمن کا ایک سپاہی ایک صحابی کی زد میں آجاتا ہے۔ صحابی کی تلوار اٹھ چکی تھی کہ سپاہی نے اسلام کا کلمہ پڑھ لیا لیکن صحابی کی تلوار اپنا کام کر چکی تھی۔

معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ صحابی نے اپنی صفائی میں عرض کیا:

"وہ صدق دل سے نہیں خوف سے ایمان لایا تھا!"

معاً رسالت پناہ کی آواز بلند ہوئی:

"ھل شققت قلبہ"

اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بلند کیے اور خدا سے عرض کیا:

"اے اللہ میں اس فعل سے بریت کا اظہار کرتا ہوں۔"

یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا تھا کہ جزیہ دینے کے بعد:

"ذمی کا مال ہمارے مال کی طرح، اور اس کی جان ہماری جان کی طرح ہو جائے گی۔"

اس سلسلہ کا ایک اور واقعہ:

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ انھوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ بن ولید کو قبیلہ خزیمہ کی طرف روانہ کیا۔ وہاں پہنچ کر خالدؓ نے دعوت اسلام دی۔ انھوں نے یہ نہیں کہا "اسلمنا" بلکہ (گھبراہٹ میں) کہنے لگے، صبانا، صبانا، یعنی ہم صابی ہوگئے۔ چونکہ اب اتمام حجت ہو چکی تھی لہذا حضرت خالدؓ نے مقاتلہ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ یہ سنتے ہی آپؐ نے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فرمایا:

"اے خدا! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔"

یہی بات آپؐ نے دو مرتبہ فرمائی۔

دشمن کے ساتھ پاس عہد کی مثال۔

حضرت براءؓ بن عازب کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر جو صلح کی وہ تین امور پر مبنی تھی۔

ایک یہ کہ مشرکین میں سے جو شخص آں حضرتؐ کے پاس آئے وہ مشرکین کے پاس واپس کر دیا جائے گا۔

دوسرے یہ کہ مشرکین کے پاس جو مسلمان آئے وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔

تیسرے یہ کہ اس سال آپؐ بغیر حج کے واپس جائیں۔ آئندہ سال صرف تین دن کے لیے آئیں اور حج کر کے واپس چلے جائیں۔

اور عین اس صلح کے وقت ایک صحابی حضرت ابوجندلؓ مشرکین مکہ کے قبضہ سے نکل بھاگے اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آپؐ کے پاس آکر پناہ کے طالب ہوئے۔

آپؐ نے ابوجندلؓ کو حسب معاہدہ واپس کر دیا اور ان سے کہا:

"صبر کرو، ہم بدعہدی نہیں کر سکتے!"

کیا دشمن سے پاس عہد کی یہ مثال آج بھی کہیں مل سکتی ہے؟

۹ھ میں نجران کے عیسائیوں کے ساتھ آپؐ نے جو معاہدہ فرمایا، وہ رواداری، حسن سلوک اور وسعت قلب کی ناقابل فراموش تاریخ ہے۔ معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:

"پیغمبرؐ نے بشپوں، پادریوں اور راہبوں کو یہ تحریر کر دی کہ ان کے گرجاؤں، عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز جیسی تھی ویسی ہی برقرار رہے گی۔ خدا اور اس کے رسولؐ نے یہ عہد کیا ہے کہ نہ کوئی بشپ اپنے عہدے سے، نہ کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور نہ کوئی پادری اپنے منصب سے خارج کیا جائے گا۔ نہ ان کے اختیارات، حقوق اور معمولات میں کسی طرح کا تغیر ہونے پائے گا۔ جب تک وہ امن، سچائی اور صلح کے ساتھ رہیں گے نہ ان پر جبر و تعدی کی جائے گی۔ نہ وہ کسی پر جبر یا تعدی کریں گے۔"

صفوان بن امیہ قریش کا بہت بڑا سردار تھا۔ فتح مکہ کے بعد اسے اپنا نامۂ اعمال یاد آیا۔ اور یہ جد

بھاگ گیا۔ آپؐ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ علامت امان کے طور پر آپؐ نے اپنا عمامہ حضرت عمیرؓ کو مرحمت فرمایا کہ جائیں اور اس روٹھے ہوئے کو منا لائیں جس نے اسلام کا قلع قمع کرنے میں داعیٔ اسلامؐ کو ایذائیں پہنچانے میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا۔

عمیرؓ گئے اور روٹھے ہوئے دشمن کو منا لائے، جو خوف و ہراس کے باعث لرزاں و ترساں گیا تھا، وہ وفور نشاط و مسرت سے تبسم کناں اور غنچہ دہاں واپس آ گیا۔

اور یہ فتح مکہ بھی تاریخ کا کیسا عجیب و غریب سانحہ تھا۔

اسلام کا لشکر مکہ میں داخل ہو گیا۔ یہ وہی مکہ ہے جہاں سے آں حضرتؐ اور مسلمان ہجرت پر مجبور ہو گئے تھے۔

سب سے پہلے آپؐ خانہ کعبہ میں تشریف لے گئے۔ اور کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا۔ یہ وہی عثمان ہے کہ آغاز اسلام میں آپؐ نے اس سے ایک مرتبہ بیت اللہ کھولنے کی استدعا کی تھی اور اس پیکر نخوت نے حقارت کے ساتھ یہ استدعا رد کر دی تھی اور بے ساختہ لسانِ رسالتؐ سے نکلا تھا:

"ایک روز یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہو گی! اور میں جسے چاہوں گا دوں گا۔"

اور عثمان نے چڑ کر کہا تھا:

"کیا اس دن قریش کے تمام مرد ذلیل اور برباد ہو چکے ہوں گے؟"

آج وہی عثمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے موجود تھا۔ اسے اپنے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے۔ وہ انجام کے ڈر سے لرزاں و ترساں کھڑا تھا کہ اس کے کانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز گونجی۔

الیوم یوم البر والوفا، آج کا دن سلوک اور صلہ کا دن ہے۔

پھر کلید کعبہ عثمان کو مرحمت فرمائی اور کہا:

یہ کنجی جو تم سے چھینے گا وہ ظالم ہو گا!"

اس موقع پر مکہ کے تمام کفار اور مشرکین جمع ہیں۔ یہ سب بڑے پرانے باپی تھے۔ انھوں نے کیسی کیسی ہولناک اور لرزہ خیز ایذائیں مسلمانوں کو دی تھیں۔ انھیں جلتی ہوئی ریت پر لٹایا تھا۔ ان کے سینوں پر گرم گرم پتھر رکھے تھے۔ ہجرت کے وقت ان کے معصوم اور خورد سال بچوں، اور بے گناہ اور وفا سرشت بیویوں کو چھین لیا تھا۔ ان کی املاک اور جائداد پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کے گھروں اور کھیتوں پر قابض ہو گئے تھے۔ انھیں زخمی کیا تھا۔ قتل کیا تھا۔

کیونکر ممکن تھا کہ قبضہ میں آنے کے بعد اب یہ بچ جاتے؟

یہ سب اپنی زندگی سے مایوس اور دل گرفتہ بیٹھے تھے۔ اور دنیا کا سب سے بڑا فاتح اور کشور کشا ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اسؐ نے ان سہمے ہوئے لوگوں پر نظر ڈالی اور کہا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

یہ سنتے ہی جن چہروں پر مردنی چھائی تھی، وہ پھول کی طرح کھل گئے، جو زندگی سے مایوس تھے انھیں زندگی واپس مل گئی۔